

تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل

(۵)

سیاسی سبز کو معطل کرنے کے دلائل و وجوہ | جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں، وہ وجوہ جن کی بنا پر بعض ذہنوں میں لائحہ عمل کے سیاسی سبز کو معطل یا مؤخر کرنے کا تخیل پیدا ہوا ہے صرف تین ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کا بھی اچھی طرح جائزہ لے کر دیکھ لیں کہ آیا وہ ایسی کسی تجویز کے لیے واقعی معقول وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ اور اس کا تنقیدی جائزہ | پہلی اور سب سے بڑی، بلکہ اصلی وجہ جو مختلف مواقع پر میں نے سنی ہے، یہ ہے کہ ان کے نزدیک جماعت کی دینی و اخلاقی حالت گر گئی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ پہلے سیاسی جدوجہد سے ہسٹ کر کارکنوں کے اخلاق بنائے جائیں، پھر اس میدان میں واپس آیا جائے۔

اس کے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ اگر ساری جماعت بحیثیت مجموعی بگڑ گئی ہے تو اسے توڑ دیجیے، کیونکہ ہم بگاڑ کو سنوارنے کے لیے اٹھے تھے، بگڑی ہوئی جماعتوں میں ایک اور جماعت کا اضافہ کرنے کے لیے نہیں اٹھے تھے بلکہ اگر پورے مجموعے پر یہ ہمہ گیر حکم محض مبالغہ ہے۔ اور امر واقعی صرف اس قدر ہے کہ جماعت میں کچھ افراد معیار سے گرے ہوئے پائے جاتے ہیں، تو اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ سارا قافلہ ان چند افراد کی خاطر رک کر کھڑا ہو جائے۔ اور جب تک یہ درست نہ ہو جائیں آگے کا سفر ملتوی رہے۔ بلکہ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ جماعت کے معروف طریقے کے مطابق ایسے ناکارہ لوگوں کو یا تو درست کیجیے یا پھر جماعت سے خارج کر دیجیے، مگر قافلہ کی راہ ایک لمحہ کے لیے بھی کھوٹی نہ کیجیے۔ جماعت اسلامی کی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ یہ جماعت آخر کب اس طریقے پر عامل رہی تھی کہ جو لوگ ایک دفعہ اس کے نظام میں آگئے ہوں وہ خواہ معیار پر قائم رہیں یا اس سے گر جائیں، ان کو ہر حال میں اپنے سینے سے ہٹائے رکھا جائے۔ اور ناکارہ لوگوں کو نکالنے کے بجائے جماعت اپنے پروگرام ان کی وجہ سے بدل دیا کرے؟ اس نے تو اول روز سے اپنے ہاں تنقید اور محاسبہ کا طریقہ اختیار کیا تھا، تاکہ ہمیشہ کارکنوں کی حالت کا

جائزہ لے کر دیکھا جاتا رہے کہ وہ کم سے کم معیار جو کیفیت کے لیے مطلوب ہے، ان میں پایا جاتا ہے یا نہیں پھر جسے بھی معیار سے گرتے دیکھا جائے، اس کے تمام رفقہاء سے سنبھالنے کی فکر کریں، اور اگر وہ نہ سنبھلے تو پھر بادل ناخواستہ اسے رحمت کر دیا جائے۔ اس قاعدے کے مطابق ابتدا سے جماعت میں داخلے کا سلسلہ جس طرح چلتا رہا ہے اسی طرح اخراج کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے حتیٰ کہ ۱۹۷۲ء میں ایک سال کے اندر تین سو ارکان کا اخراج تک عمل میں آچکا ہے۔ یہ قاعدہ آج بھی آپ کی جماعت میں موجود ہے، اور آپ اس پر عمل کر کے جماعت کو ایسے تمام عناصر سے خالی کر سکتے ہیں جن کی دینی و اخلاقی حالت گر گئی ہو۔ ایسے لوگ اگر آپ کے اندر آج پائے جا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے اس معزز قاعدے پر عمل کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ اب یہ عیسیٰ عجیب بات ہے کہ اسے تازہ کرنے اور اس پر ٹھیک ٹھیک عمل درآمد کرنے کے بجائے ہمارے سامنے الٹی یہ تجویز لائی جاتی ہے کہ جماعت ان لوگوں کو اپنے اندر رکھنے کی خاطر اس پروگرام میں رد و بدل کر ڈالے جو اس کے نصب العین کا لازمی تقاضا ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگر اس پروگرام کے سیاسی جذبہ کو معطل کرنا اس لیے ناگزیر ہو گیا ہے کہ جماعت میں کچھ عناصر دینی و اخلاقی حیثیت سے گر گئے ہیں تو اس سے زیادہ گزیر یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ اور توسیع جماعت کے کام کو بھی معطل کر دیا جائے، کیونکہ گری ہوئی دینی و اخلاقی حالت کے ساتھ دعوت الی اللہ کیسی، اور معاشرے کی اصلاح کے کیا معنی، اور صالح افراد کی تلاش و تنظیم کا کیا موقع؟ اس دلیل سے تو جماعت کا پروگرام اب صرف اپنے موجودہ ارکان کی تربیت تک محدود رہنا چاہیے، اور یہ سب ہو جانا چاہیے کہ جب تک سارے ارکان پورے معیاری رکن نہ ہو جائیں، پبلک میں جا کر کوئی دعوتی یا اصلاحی یا سیاسی کام نہ کیا جائے۔ نیز یہ بھی طے ہو جانا چاہیے کہ جب بھی ارکان کی حالت کا جائزہ لینے کے بعد یہ تہہ چلے کہ تربیت کی ساری کوششوں کے باوجود پھر کچھ لوگ جماعت میں دینی و اخلاقی حیثیت سے گرے ہوئے پائے جاتے ہیں، تو پھر اسی طرح سارے پروگرام معطل کر کے جماعت تربیت نگاہوں کی طرف لے دو اور جماعت چھ سو صفحہ ۱۲-۱۳-۱۴ واضح رہے کہ اس سال کے آغاز میں ارکان کی کل تعداد ساڑھے سات سو تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ۴۰ فی صدی ارکان ناکارہ یا گرنارج کیے گئے۔

پلٹ جایا کرے گی۔ اس کے بعد یہ سوال خارج از بحث فرما دیجیے کہ یہ جماعت کبھی کوئی کام کر بھی سکے گی یا نہیں۔ میرے علم میں ایسا کوئی طریق تربیت اب تک نہیں آیا ہے جو معیار مطلوب کے قومی تیار کرنے کی سو فی صدی ضمانت دیتا ہو۔ اس کی آپ جتنی چاہیں کوشش کر دکھیں، ہر جائزہ آپ کو یہی رپورٹ دے گا کہ آپ کے درمیان ایک ناقابل اطمینان عنصر موجود ہے۔ بلکہ بحیثیت مجموعی پوری جماعت کے متعلق بھی ہر پہلو سے کامل اطمینان کی رپورٹ شاید آپ بھی نہ پاسکیں گے۔ اب اگر یہ بات آپ ایک دفعہ طے کر لیں کہ ایسے جائزوں کا نتیجہ ہمیشہ آپ کے پروگراموں کو معطل کرنے ہی کی صورت میں نکلنا چاہیے تو میرے نزدیک اس کے بعد عقلمندی یہ ہے کہ آپ نظام زندگی کے انقلاب کی داستان لپیٹ کر رکھ دیں اور خانقاہیں بنانے کی تجویزیں سوجھیں۔ اس کہ دفتر کے ساتھ آپ اجتماعی زندگی میں کبھی کوئی موثر کام نہیں کر سکتے۔

یہ تو ہے اس طرز فکر کا ایک کمزور پہلو۔ دوسرا اس سے بھی زیادہ کمزور پہلو یہ ہے کہ اس تجویز میں اخلاق بنانے اور مردان کار تیار کرنے کا ایک ایسا تصور کام کر رہا ہے جو غیادوی طور پر غلط ہے، اور میرے لیے یہ بات سخت سیرانی ہی نہیں، پریشانی کی موجب بھی ہے کہ ساٹھ سال سے ہم سیرت و اخلاق کی تیاری کے حصول تصور کی اصلاح کے لیے کوشش کر رہے ہیں وہ چارے دائرے میں کیسے راہ پا گیا۔ یہ کہنا کہ جماعت اسلامی سیاسی جدوجہد کے میدان سے ہٹ کر پیٹے کارکنوں کے اخلاق بنائے پھر اس میدان میں قدم رکھے، اپنے پیچھے اخلاق کی تیاری کا یہ تصور رکھتا ہے کہ ایک کام کے لیے جس قسم کے اخلاق کی ضرورت ہے وہ اس کام میں پڑے بغیر کہیں باہر سے تیار کر کے لائے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ یہ تصور اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ خیال غلط ہے کہ کوئی آدمی پانی میں اترے بغیر بھی تیرا کر ہو سکتا ہے۔ عقل اس کو غلط کہتی ہے، بارہا اسے کجربابت اس کو غلط ثابت کر چکے ہیں، ہمارا شب و روز کا مشاہدہ اس کی ترمیم کر رہا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہر کام کے لیے جس قسم کے اخلاق مطلوب سمجھنے میں وہ اہی کام میں پڑ کر بنتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے لیے جو اخلاق درکار ہیں وہ دعوت و تبلیغ ہی میں نہیں گئے، تجارت کے لیے جو اخلاق درکار ہیں وہ دکان اور منڈی ہی میں تباہ ہینگے۔ مجھوں میں بیٹھ کر آپس برس بھی مشق و تمرین کر لیں دعوت یا تجارت کے میدان میں قدم رکھتے ہی آپ کو محسوس ہو گا کہ یہاں جن آزمائشوں سے سابقہ ہے ان کے مقابلے میں اخلاقی حیثیت سے آپ بالکل مبتدی کے مقام پر ہیں۔ ایسا ہی معاملہ سیاست اور انتخابات کا بھی ہے۔

اس کام کی اخلاقی مشکلات، اور اس میں اترنے کے خطرات و نقصانات کو دیکھ کر آپ یہ فیصلہ کرنا چاہیں تو کیسیجے کہ ہیں اس میدان سے ہمیشہ گے لیے ہٹ جانا ہے۔ مگر یہ محض ایک خام خیالی ہے کہ آپ کا ارادہ تو اس میدان میں واپس ہی آنے کا ہوا لیکن آج آپ اس سے اس لیے ہٹ جائیں کہ چند سال تک آپ کہیں وہ اخلاق تیار کرتے۔ میں گے جو سیاسی کام اور انتخابات میں حصہ لینے کے لیے درکار ہیں۔

میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ جتنے سال بھی آپ چاہیں اس میدان سے باہر تیار کرتے رہیں آخر کار جب آپ ہٹ کر ادھر آئیں گے تو اپنے آپ کو آج کی حالت سے کچھ بھی بہتر نہ پائیں گے۔ یہاں جو اخلاقی قوت درکار ہے وہ باہر کسی جگہ سے بنا کر نہیں لائی جاسکتی۔ اس کا نشو و نما اسی میدان میں شیطانی قوتوں سے نبرد آزما کر کے ہو سکتا ہے۔ اس کے ارتقاء کی صورت صرف یہ ہے کہ آپ اپنے کارکنوں کو ایک نصب العین اور ایک ضابطہ اخلاق دے کر سیاسی جدوجہد کے عرصہ کار میں لائیں اور سخت سے سخت نازک مواقع پر بھی انہیں اس نصب العین اور ضابطہ اخلاق سے ہٹنے نہ دیں۔ انہیں انتخابی معرکے میں ان پارٹیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھائیں جو اخلاق و دیانت کے سارے اصولوں کو توڑ کر بازی جیتنے کی کوشش کرتی ہیں اور پھر اس امر کی پوری نگرانی کریں کہ انتخابی جنگ کی انتہائی گہما گہمی میں بھی آپ کے کارکن اخلاق کے کسی ضابطے اور دیانت کی کسی حد کو توڑنے نہ پائیں۔ ان آزمائشوں میں جن لوگوں سے کسی غرض کا صدور ہو، ان پر گرفت کیجیے، جو قابل اصلاح ہوں ان کی اصلاح کی کوشش کیجیے اور دیکھیے کہ بعد کی آزمائشوں میں وہ کیسے ثابت ہوتے ہیں، اور جن کی حالت ناقابل اصلاح پائی جائے انہیں ہٹا کر بھینک دیجیے۔ یہ عملی تربیت اسی تربیت گاہ میں مل سکتی ہے باہر کہاں آپ یہ تربیت دیں گے، اور کیسے آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اخلاق جو اس کام کے لیے مطلوب ہیں، تیار ہوئے یا نہیں ہوئے؟

جماعت اسلامی کے لیے یہ کوئی نیا طریق تربیت نہیں ہے جو آج پہلی مرتبہ اس کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو، بلکہ ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں وہ اس کو آزما چکی ہے، اور اس کے نتائج کا جائزہ بھی آپ اس سے پہلے اچھی طرح لے چکے ہیں۔ اُس وقت انتخابات کے فوراً بعد آپ کی مجلس شوریٰ نے جو تبصرہ ایک مدیل قرارداد کی شکل میں جماعت کے انتخابی کام پر کیا تھا اس کے یہ فقرے ملاحظہ ہوں:

”اس انتخابی جدوجہد کے میدان میں عام پبلک میں سے سترہ سو ایسے نئے آدمی اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے ہمارے کارکنوں کا پوری طرح سے ہاتھ بٹایا اور بغیر کسی ذاتی غرض یا لاپچ کے اُن تمام اخلاقی پابندیوں کے ساتھ جو ہم نے اپنے کارکنوں پر عائد کر رکھی تھیں، پوری طرح جان ٹٹا کر کام کیا۔“

”باوجودیکہ پنجاب کے اتنے وسیع رقبوں میں جماعت کے تین چار ہزار کارکنوں نے اتنے وسیع پیمانے پر انتخابی جدوجہد کی، اور اس میں مخالف جماعتوں اور امیدواروں کی شدید بد اخلاقیوں اور بے مناسبتیوں کا ان کو مقابلہ کرنا پڑا، تاہم پولنگ کے انتہائی بھراتی زمانے میں بھی جماعت کے کارکنوں نے بحیثیت مجموعی اخلاقی جہارت اور ضابطہ و قانون کی پابندی کا ایسا بے نظیر نمونہ پیش کیا جس کا اعتراف حکومت کے عمال اور مخالف پارٹیوں کے کارکنوں تک کو کرنا پڑا۔ الیکشن کے پورے کام کا جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ دو چار حلقوں کے سوا پورے پنجاب میں کہیں جماعت کے کارکنوں سے کسی اخلاقی کمزوری، یا قانون و ضابطہ کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں ہوا، اور ان دو چار حلقوں میں بھی جماعت کے کارکن بحیثیت مجموعی اس میں ملوث نہیں ہوئے بلکہ چند منفرد کارکنوں — اور زیادہ تر نئے کارکنوں — سے اس کا صدمہ ہوا۔“

”خصوصیت کے ساتھ جو چیز ہمارے لیے قابل اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ اس انتخابی جدوجہد میں جتنی خواتین نے نچاتی نمائندوں کے لیے کام کیا انہوں نے ہر جگہ شرعی پردے کے تمام حدود کی پوری طرح پابندی کی۔ درانحالیکہ ایک آدھ پولنگ اسٹیشن کے سوا پورے پنجاب کا کوئی پولنگ اسٹیشن ایسا نہیں تھا جہاں زنانہ پولنگ کے وقت حکومت اور سیاسی پارٹیوں اور مخالف امیدواروں نے پردے کے حدود کا کچھ بھی لحاظ رکھا ہو۔“

”جماعت کے کارکن پہلی مرتبہ انتخاب کے میدان میں اتنے سے تھے۔ اکثر و بیشتر کو پہلے سے انتخاب کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اور اخلاقی قیود اور قانون و ضابطہ کی پوری پابندی کے ساتھ ایشیاء کے کافر موجودہ جمہوریت کی تاریخ میں شاید یہ پہلا تجربہ تھا۔“

”آئندہ ہر انتخاب کے موقع پر یہ بات نہ صرف کارکنان جماعت پر، بلکہ جماعت کی حمایت میں جو لوگ کام کریں اُن پر بھی اچھی طرح واضح کر دی جائے کہ جماعت اسلامی انتخاب میں کسی نشست کو جیتنے کی بہ نسبت زیادہ، اور بدمذہبہا زیادہ اہمیت اس امر کو دیتی ہے کہ انتخابات کو بد اخلاقیوں اور بے ضابطگیوں سے پاک کیا جائے اور انتخابی جنگ میں اخلاقی حدود اور قانون و ضابطے کی پوری پوری پابندی کا نمونہ پیش کیا جائے۔ کیونکہ سیاست کو صداقت اور دیانت پر قائم کرنا جماعت اسلامی کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے، اور اس مقصد کو ہم کسی بڑے سے بڑے وقتی فائدے پر بھی قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس بنا پر مجلس شوریٰ نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ کسی ایسے رکن جماعت کو ہرگز معاف نہ کیا جائے جو کبھی انتخابی حدود و جہد میں اخلاق اور ضابطے کے حدود سے تجاوز کرے۔ اور جماعت سے باہر کے جن لوگوں سے اس طرح کی حرکات کا صدور ہوا آئندہ کے لیے ان کا تعاون قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے۔“

یہ ہے وہ طریق تربیت جس کا آپ پہلے تجربہ کر چکے ہیں، اور یہ ہیں اس کے نتائج جو آپ کی مرکزی مجلس شوریٰ کے ۱۱ آدمیوں نے پورے انتخابی کام کا جائزہ لینے کے بعد ایک باقاعدہ قرارداد کی شکل میں بیان کیے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں، کیا یہ نتائج واقعی ایسے دل شکن اور مایوس کن ہیں کہ انہیں دیکھ کر آپ اس طریقہ کو ناکام کہہ سکیں؟ اور کیا آپ سیاست اور انتخابات کے معرکے میں اترنے کے لیے یہ شرط لگانا چاہتے ہیں کہ تین چار ہزار آدمی اگر آپ میدان میں لائیں تو ان میں سے ایک کا کام بھی معیار سے گزرا ہوا نہ پایا جاسکے؟ اور کونسا دوسرا طریقہ آپ تجویز کرتے ہیں جو اس میدان سے باہر آدمی تیار کرتا ہو اور پھر اس امر کی ضمانت دے کہ انہیں میدان میں لاسکتا ہو کہ ہزار میں ایک آدمی بھی عملی تجربے میں ناقص نہ نکلے گا؟

اس طرز فکر کا ایک کمزور پہلو اور بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جو حضرات یہ بات کہتے ہیں کہ اس وقت سیاست کے میدان سے ہٹ جائیے اور پھر چند سال اخلاق بنانے میں صرف

کر کے پوری تیاری کے ساتھ واپس آئیے۔ انھوں نے غالباً یہ فرض کر لیا ہے کہ ہم خلا میں کام کر رہے ہیں اور یہاں یہ بالکل آسان ہے کہ ہم جب چاہیں ایک جگہ سے ہٹ جائیں اور پھر جب چاہیں اسی جگہ آن کھڑے ہوں۔ حالانکہ امر واقعی جس سے ہم دو چار ہیں وہ یہ ہے کہ دس برس سے ہم سخت فراہمتوں کے مقابلے میں اپنے نصب العین کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں، بہت سی طاقتیں ہیں جن سے ایک ایک قدم پر کشمکش کرتے ہوئے ہم اپنے موجودہ مقام پر پہنچے ہیں۔ اور وہ مخالف طاقتیں ہر وقت ہم کو ہٹانے اور مدھنچنک دینے کے لیے زور لگا رہی ہیں۔ یہ کوئی نوالی میدان نہیں ہے جس میں ہم ٹہلتے ہوئے آئے ہوں اور جا کر پھر ٹہلتے ہوئے ہی واپس آ سکتے ہوں۔ یہ تو مقابلے اور کشمکش کا میدان ہے جس میں ایک قدم بھی پیچھے ہٹ جائیے تو کھوٹی ہوئی جگہ پر پلٹ کر آنا آسان نہیں ہوتا۔ اس لیے یہاں سے عام پسپائی کا فیصلہ محض خیالات کی چند لہروں سے متاثر ہو کر رد واری میں نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اتنی تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سیاسی میدان میں کام کرنے سے وہ کونسا نقصان عظیم ہماری تحریک کو پہنچا ہے جس کے مقابلے میں یہ پورا میدان مخالفین دین اور محرب اخلاق طاقتوں کے لیے خالی چھوڑ دینا کم تر مفید ہے کا نقصان سمجھا جاسکے اور اس نقصان کو گوارا کرنا ہمارے لیے ناگزیر ہو چکا ہو۔ دوسری یہ بات ہمارے سامنے واضح ہونی چاہیے کہ یہاں سے ہٹ کر ہم پھر یہاں واپس آ بھی سکیں گے؟ اس لیے کہ جو چند سال ہم اخلاقی تیاریوں میں صرف کریں گے، ان میں مخالف طاقتیں بیکار نہیں بیٹھی رہیں گی، بلکہ یہی چند برس وہ اپنی تجویز مضبوط کرنے اور آپ کی واپسی کا دروازہ بند کرنے میں صرف کریں گی، اور ان کی کوشش یہ ہوگی کہ اس ملک میں دینی نظام کے لیے جدوجہد کرنے کے مواقع حتی الامکان بالکل ختم کر دیئے جائیں۔ ان دو سوالات کا کوئی اطمینان بخش جواب جب تک نہ ملے، سیاسی میدان سے پسپائی کی کوئی تجویز ہمارے لیے لائق خوبی نہیں ہو سکتی، کچا کہ آنکھیں بند کر کے اسے صرف اس لیے قبول کر لیا جائے کہ جماعت کی اخلاقی حالت گرنے کا ایک خطرہ ہمارے سامنے پیش کر دیا گیا ہے جو بجائے خود واقعہ کے اعتبار سے بھی نہایت مبالغہ آمیز ہے۔ دوسری وجہ | دوسری وجہ اس تجویز کے حق میں یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہمارے پاس وہ لوگ تیار نہیں ہیں جو نظام حکومت کو اسلامی طرز پر چلانے کے لائق ہوں۔ اس حالت میں اگر محض سیاسی جدوجہد سے قیامت

میں کوئی تبدیلی ہو بھی جائے تو آخر وہ لوگ ہم کہاں سے لائیں گے جو ریاست کے مختلف شعبوں کی مدت گری و رہنمائی اسلامی اصولوں کے مطابق کر سکیں؟ اس لیے ہمیں پہلے وہ تدابیر اختیار کرنی چاہئیں جن سے ہر شعبہ زندگی کے لیے موزوں معماروں اور لیڈروں کی ایک ٹھیک تیار ہو جائے۔ پھر تبدیلی قیادت کی جدوجہد یا ممتنع بھی رہو گی اور نتیجہ خیز بھی۔

یہ استدلال خود غلط ہے کہ اس سارے معاملے کو بڑے ہی سطحی انداز میں سوچا گیا ہے۔ اس کی پشت پر کئی غلط مفروضے کام کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کے ذہن میں یہ استدلال پیدا ہوا ہے انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ یہاں صرف تبدیلی قیادت کے لیے ایک سیاسی جدوجہد ہی کی جا رہی ہے، اس کے ساتھ کوئی تحریک ذہنی و فکری اور اخلاقی تبدیلی کے لیے کام کرنے والی نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرض کر لیا ہے کہ سیاسی جدوجہد سے انقلاب قیادت اچانک رونما ہو جائے گا اور یکبارگی یہ سوال عملاً ہمارے سامنے آکھڑا ہو گا کہ نظام کار تو اسلامی نظام کے حامیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے، اب اس نظام کے مطابق تعمیر نو کے لیے آدمی کہاں سے لائے جائیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے ایک تیسری بات یہ بھی فرض کر لی ہے کہ نظام زندگی کی تبدیلی کے لیے جو تحریک کسی ملک میں کام کر رہی ہو اسے پہلے کہیں الگ ٹیڑھ کر اپنے نظام مظلوم کے لیے آدمی تیار کرنے چاہئیں اور جب اس کے پاس مختلف شعبوں کو چلانے کے لیے ڈائریکٹروں، مدبروں، سپہ سالاروں، اور دوسرے ماہرین کی ایک کافی تعداد تیار ہو جائے تب سے نظام مملکت کا چارج لینے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔ یہ تین مفروضے جب تک سمجھ نہ ہوں، ان پر تعمیر کردہ استدلال صحیح نہیں ہو سکتا، اور میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص ٹھوڑے سے غور و فکر سے طبی کام سے گا وہ محسوس کرے گا کہ یہ تینوں ہی مفروضے غلط ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اچانک تبدیلی تو تحفیہ سازشی تحریکوں اور مسلح انقلاب کے فدیہ سے بھی کم ہی ہوتا ہوتی ہے، گنا کہ جمہوری فرشتوں سے رونما ہو جائے۔ اصول اور نظریات کی بنیاد پر نظام زندگی کی تبدیلی کے لیے جو تحریکیں جمہوری اور آئینی طریقوں سے جدوجہد کرتی ہیں ان کے نتیجے میں ہر تبدیلی تدریجاً اور رفتہ رفتہ ہوتی ہے اور بھی یکبارگی یہ سوال ان کے لیے پیدا نہیں ہوتا کہ نظام تو بدل گیا ہے مگر اس کے

چلانے والے آدمی موجود نہیں ہیں۔ واقعات کی دنیا میں صورت معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ یعنی نظام بدلتا ہی اس وقت ہے جبکہ آبادی کے ایک بہت بڑے حصے کی رائے، ذہنیت طرز فکر اور معیار پسند و ناپسند میں تغیر رونما ہو جاتا ہے۔ اور یہ تغیر آپ سے آپ اس بات کی ضمانت ہوتا ہے کہ اسی آبادی میں سے، جس نے یہ تغیر قبول کیا ہے، نئے نظام کو چلانے والے آدمی فراہم ہو جائیں گے۔

اس تغیر کی رفتار بہت سست ہوتی ہے جبکہ اس کے لیے کوشش کرنے والی تحریک زندگی کے بڑھتے ہوئے مسائل و معاملات میں دخل دینے اور مخالف تحریکوں اور طاقتوں کے ساتھ زور آزمائی کرنے سے گریز کرے۔ کیونکہ اس صورت میں تھوڑے لوگ ہی اس کو مجرد اس کے خیالات اور اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی تعمیری کوششوں کی بنا پر قابل اعتنا سمجھتے ہیں۔ لیکن جب وہ اپنے نظریات کی تبلیغ و دعوت کے ساتھ آگے بڑھ کر عملی مسئلے میں دخل دیتی ہے، اس میں اپنا نقطہ نظر دلائل کے ساتھ پیش کرتی ہے، مخالف قوتوں کی فکر و عمل پر مدلل تنقید کرتی ہے، اور عملاً ان قوتوں کے مقابلہ میں کشمکش شروع کر دیتی ہے، تو معدوم بروز آبادی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اس کی طرف متوجہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اگر اس کی تنقید اور تعمیری فکر اور سیرت و کردار میں کوئی جان ہوتی ہے تو یہ شعبہ زندگی میں کام کرنے والے لوگ اس کے ہم خیال بنتے چلے جاتے ہیں۔ کشمکش اور تنبیہ و ناجبکہ وہ زندگی کے عملی مسائل پر ہو، لمبی چوڑی کتابوں کے بغیر خود لوگوں کو یہ سمجھ دیتا ہے کہ آپ جس چیز کو توڑنا چاہتے ہیں اس میں کیا غرابی ہے اور جو کچھ بنانا چاہتے ہیں وہ کیا ہے اور کن اصول و نظریات پر مبنی ہے۔ اس کا کم از کم ایک واضح خلاصہ ہر اس شخص کا ذہن اخذ کر لیتا ہے جو ماحول میں سانس لے رہا ہو، اور کشمکش جتنی بڑھتی جاتی ہے اتنے ہی زیادہ لوگ اس سے متاثر ہو کر اپنی اپنی استعداد کے مطابق تبدیلی قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس طرح کی ایک تحریک کو کبھی اس کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ کہیں باہر سے آدمی تیار کر کے لائے۔ وہ اپنی تبلیغ اور اپنی جدوجہد کی تاثیر سے بنے بنائے آدمیوں کو تبدیل (CONVERT) کر کے اپنا ہم خیال و ہم نوا بنا لیتی ہے، اور اس کی یہ تبلیغ اور جدوجہد چونکہ کسی غلام میں نہیں ہوتی بلکہ اسی معاشرے میں ہوتی ہے، اس لیے کوئی شعبہ سیات ایسا نہیں رہ جاتا جس میں کام کرنے والے لوگ اس کے پھیلائے ہوئے اثرات سے کم پیش

متاثر نہ ہوتے ہوں یہی متاثرین اُس وقت کام آتے ہیں جب تحریک کی تدریجی ترقی سے ایک وقت عملاً قیادت تبدیل ہو جاتی ہے۔

پھر یہ خیال بھی غلط ہے کہ کسی نظام کو چلانے والے لوگ کہیں الگ سے تیار کر کے لائے جاسکتے ہیں۔ یہ چیز کسی کارخانے میں ڈھلنے والی یا کسی معمول (میارٹری) میں تیار ہونے والی نہیں ہے۔ برسوں کے تجربے اور عملی کام سے اس طرح کے لوگ تیار ہوتا کرتے ہیں۔ اس سوال کو تھوڑی دیر کے لیے جانے دیجیے کہ آپ وہ وسائل کہاں سے فراہم کریں گے جن سے اعلیٰ درجے کے مدیرین و منتظمین مملکت تیار کرنے والے ادارے قائم کر سکیں۔ اس کو ممکن تسلیم کر کے بھی یہ سوال باقی نہ جاتا ہے کہ ان اداروں میں تعلیم و تربیت پائے ہوئے لوگ کیا پہلا ہی قدم ہر شعبے اور محکمے کی مسندِ صدارت پر رکھنے کے قابل ہوں گے؟

مزید برآں ہمارا ملک جس جمہوری طرز پر چل رہا ہے، اس میں نظامِ زندگی کی تبدیلی لانے کے لیے بہر حال یہ ناگزیر ہے کہ ہمارے ارکان اور متفقین کی ایک کثیر تعداد عملاً اس جمہوری طرزِ حکومت کی پوری مشینری سے قف ہو اور اس کے کام چلانے میں مہارت پیدا کرے۔ یہ واقفیت اور مہارت کہیں باہر سے حاصل کر کے نہیں لائی جاسکتی، اسی کام میں پُر کر بتدیج پیدا کی جاسکتی ہے۔ انتخابی کام کے تجربہ کار خود انتخابات ہی میں تیار ہوں گے۔ پارلیمنٹین پارلیمنٹ میں جا کر ہی بنیں گے۔ حکومت کے مختلف شعبوں میں بصیرت اسی وقت پیدا ہوگی جبکہ ایوانِ ریاست میں جا کر آپ کے کارکنوں کو براہِ راست مملداری کے مسائل و معاملات سے دوچار ہونے کا موقع ملے۔ اس کام کو جتنی مدت بھی آپ چاہیں ملتوی کر لیں، بہر حال جب بھی آپ اس طرف آئیں گے بمشدد ہی سے آپ کو آغاز کرنا پڑے گا۔ کوئی وقت ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ساری مہارتیں اور بصیرتیں کہیں سے پیدا کیے ہوئے آئیں اور اتنے ہی بس مملکت کا چاسج لے لیں۔

اب رہ جاتا ہے یہ مفروضہ کہ یہاں محض سیاسی جدوجہد ہی سے قیادت کی تبدیلی چاہی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ کوئی متوازی کوشش ذہنی و فکری اور اخلاقی تبدیلی کے لیے نہیں ہو رہی ہے، تو اس کے متعلق میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ خلافِ حقیقت باتوں پر استدلال کی عمارت اٹھانا اُس نقطہ نظر کی کمزوری کا پہلا نشان ہے جس کے حق میں استدلال کا یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ آخر کون آدمی جو جماعت اسلامی کے

حالات سے واقف ہے، انصاف کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم آج تک محض سیاسی جدوجہد کے ذریعہ سے تبدیلی قیادت کے لیے کوشاں رہے ہیں؛ اور کون ہمارے اس چار نکاتی لائحہ عمل کو، جو اس وقت زیر بحث ہے، یہ معنی پہنا سکتا ہے کہ آئندہ کے لیے ہم ایسا کوئی نقشہ کار بنارہے ہیں؛ ہمارا تو سارا منصوبہ یہی ہے کہ ایک طرف منظم طریقے سے وسیع پیمانے پر ذہنی و فکری اور اخلاقی تبدیلی لانے کی کوشش کی جائے، دوسری طرف قیادت بدلنے کے لیے سیاسی میدان میں لادینی نظام کی ان طاقتوں کے خلاف کشش کی جائے جو اس وقت زمام کار پر قابض ہیں یا آئندہ قابض ہونا چاہتی ہیں۔ اور یہ منصوبہ ہم نے اختیار ہی یہ سمجھتے ہوئے کیا ہے کہ اس طرح جس تدریج کے ساتھ زمام کار تبدیل ہوگی اسی کے مطابق ساتھ کے ساتھ نئے نظام کے چلانے والے بنی تیار اور فراہم ہوتے چلے جائیں گے۔ اب اگر کوئی شخص اس منصوبے سے سیاسی جدوجہد کے عنصر کو نکالنا چاہتا ہو تو اسے سیدھی طرح یہ بتانا چاہیے کہ وہ کیسے اور کہاں وہ مردان کار تیار کرے گا جن کی تیاری و فراہمی اس کی رائے میں سیاسی جدوجہد شروع کرنے کے لیے شرط مقدم ہے۔ یہ سیدھی راہ چھوڑ کر ایک بالکل غلط و متعذر مفروضے کا سہارا لینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

تیسری وجہ | ایک اور وجہ اس تجویز کے لیے یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابھی تو ہم نے علمی میدان میں اس وجہ سے اندر پیمانے کا کوئی کام کیا ہی نہیں ہے جو فکری و نظری قیادت بدلنے کے لیے کافی ہو سکے۔ اور فکری و نظری قیادت بدلے بغیر سیاسی قیادت بدلنا ناممکن ہی ہے اور نہ مفید۔ اس لیے ہمیں سیاسی قیادت کی تبدیلی کا خیال چھوڑ کر اپنی پوری قوت علمی کام پر صرف کرنی چاہیے۔ آخر کار جب ہم علوم و فنون کی وہ ساری بنیادیں ڈھادیں گے جو موجودہ لادینی تہذیب کی اساس بنی ہوئی ہیں، اور ان کی جگہ اسلامی افکار کی نئی بنیادیں علوم کی تدوین جدید کے ذریعہ سے متحکم کر دیں گے، تو اس سے خود بخود ایک انقلاب رونما ہوگا جو سیاست سمیت ہر شعبہ زندگی میں قیادت کو تبدیل کر دے گا۔

یہ دراصل ایک دوسری ہی نوعیت کا نقشہ کار ہے جسے اگر اختیار کرنا ہو تو آپ کو اپنی تحریک کے لائحہ عمل سے اس کا صرف چوتھا جز ہی خارج نہیں کرنا ہوگا، بلکہ باقی تینوں اجزاء کو بھی ختم کر دینا ہوگا۔ کیونکہ اس نقشے کی رو سے تو دعوت عام، تعلیم افراد صالح، اور اصلاح معاشرہ کا کام بھی قبل از وقت اور محض لاحال ہے۔

یہی نہیں، بلکہ پچھلے پندرہ بیس سال میں ہم اپنے نصب العین کے لیے جو کچھ بھی کرتے رہے ہیں وہ سب فضول تھا اور محض ناگہمی کی وجہ سے ہم ایک غلط راستے پر پڑے تھے۔ اس کے بجائے جو کچھ ہیں کرنا چاہیے تھا اور جو کچھ کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ایک عظیم الشان الٹیدی قائم کریں جو علوم کی تحقیق و تنقید اور تدوین جدید کام شروع کرے پھر جب یہ الٹیدی اپنے نتائج عمل سے ہم کو اس حد تک تسخیر کر دے کہ ہم ایک یونیورسٹی قائم کر سکیں تو ہمیں دوسرا قدم اُس کی تاسیس کا اٹھانا چاہیے۔ اس کے بعد جو کچھ کرنا ہو گا اسے ابھی سے سوچنے کی کوئی حاجت نہیں، کیونکہ ۴۰-۵۰ برس تک کے لیے تو یہ پروگرام ہمارے پاس موجود ہی ہے! یہی بات کہ ایک نظام کی گود میں بیٹھ کر دوسرے نظام کے لیے یہ انقلاب انگیز تعمیری ادارے کہاں کن وسائل سے قائم ہونگے، اور غالب نظام کا ہمہ گیر استیلا مان کر کام کرنے کا موقع کس حد تک دینا، اور خود اس نظام غالب کے اپنے وسیع و عمیق علمی و فکری اثرات اس مدت میں کس پیمانے پر اپنا کام کر چکے ہونگے، تو یہ وہ سوالات ہیں جو اس عالم خیال میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے جہاں بیٹھ کر یہ نقشہ کار سوچا گیا ہے۔

در اصل یہ محض ایک سرسری تخیل ہے جسے اچھی طرح سمجھ کر بغیر اور پھر غور و فکر کی زحمت اٹھائے بغیر ناچختہ حالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ میں چند الفاظ میں اس پر تنقید کر کے بتاؤں گا کہ اس میں خامی کیا ہے، اور جس چیز کی ضرورت کا اس میں اظہار کیا جا رہا ہے وہ ہماری تحریک میں پہلے ہی کس طریقے سے پوری ہو چکی ہے۔ اس میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ کسی نظریہ حیات کے مطابق سیاسی انقلاب رونما ہونے کی واحد صورت یہ ہے کہ اس سے پہلے اُس نظریے کے مطابق فکری انقلاب رونما ہو جائے۔ حالانکہ ایسا ہوتا کچھ ضروری نہیں ہے۔ خود ہمارے ملک میں انگریزوں نے آکر پہلے خالص سیاسی تدبیروں سے اقتدار پر قبضہ کیا، پھر اسی ملک کے فرائض و مسائل سے کام لے کر اپنے نظریہ حیات کے مطابق افکار، اخلاق، اطوار، تہذیب، تمدن، ہر چیز کی دنیا بدل ڈالی۔ یہاں یہ فکری و تہذیبی انقلاب سیاسی انقلاب کی علت نہیں بلکہ اس کا نتیجہ تھا۔ اسلام کی اپنی تاریخ باقی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً صرف ایک مٹھی بھر جماعت اسلامی طرز فکر کی تشکیل کی تھی۔ اس کے بعد سیاسی انقلاب فکری و اخلاقی انقلاب کے ساتھ اس طرح متوازی چلتا رہا کہ دونوں کی تکمیل ایک ساتھ واقع ہوئی۔ وہاں ان دونوں قسم کی مساعی کو ہم ایک دوسرے کا ایسا مددگار پاتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا سیاسی انقلاب فکری و اخلاقی انقلاب کا نتیجہ تھا یا فکری و اخلاقی انقلاب

سیاسی انقلاب کا نتیجہ اس لیے یہ بات ایک کلیہ کے طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ سیاسی انقلاب کے لیے فکر و انقلاب لازماً ایک شرط مقدم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو شرط مقدم کہا جاسکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک ایسا منظم گروہ پیدا ہو جائے جو ایک فکر کا حامل بھی ہو اور اس فکر کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ ایسا گروہ جب وجود میں آجائے تو پھر یہ امر حالات اور مواقع پر منحصر ہے کہ وہ اپنے مقصود کی طرف کس راستے سے بڑھے۔ اگر سیاسی تغیر ممکن ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ محض ایک خیالی نظریہ کی بنا پر وہ اس امکان سے فائدہ اٹھانے میں تامل کرے۔ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ اقتدار اور وسائل کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد پورے نظام زندگی کو اپنے نقطہ نظر کے رخ پر موڑنے کی ویسی ہی کوشش کرے جیسی انگریز یہاں بڑی کامیابی کے ساتھ کر کے دکھایکے ہیں اور انبیائے کرام میں بھی اس طریق کار کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات طیبہ میں ملتی ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ فکری انقلاب اور سیاسی تغیر کی ایک ساتھ کوشش کرے یعنی جس طاقت فکری و دنیوی پھیلانے سے حاصل ہوا سے سیاسی تغیر کے لیے استعمال کرے، اور جتنی طاقت سیاسی تغیر کی سہی و جہد سے حاصل ہو اس سے فکری انقلاب کو اور زیادہ وسیع و عمیق کرنے کی کوشش کرنا چلا جائے۔ یہ وہ طریق کار ہے جو ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔

دوسری ایک غلط بات اس خیالی نقشہ کار میں یہ فرض کی گئی ہے کہ فکری انقلاب برپا کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم محقق و تدوین علوم کے ادارے قائم کر کے اپنے نظریہ حیات کے مطابق ایک پورا نظام فکر تفصیلاً مرتب کر دیں، پھر اپنے تعلیمی ادارے قائم کر کے ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی پیدا کریں جو اس نظام فکر کے مطابق ذہنی تربیت پائے ہوئے ہوں۔ حالانکہ اس منظم حصول کا بھی ایک طریقہ نہیں اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم جس نظام کو بدلتا چاہتے ہیں اس کی حریبان اور جس نظام کو لانا چاہتے ہیں اس کے امتیازی حدود و محال مجمل مگر واضح اور مدلل و مؤثر طریقے سے پیش کر کے ایک عملی جدوجہد کا آغاز کر دیں۔ چہر زندگی کے تمام اہم مسائل میں، جو وقتاً فوقتاً ملک کو درپیش ہوں، بروقت دخل دے کر اپنے نقطہ نظر کی ترجمانی کریں، اور اسی بنیاد پر مخالف نظریات کے مقابلے میں اپنے نظریے کو غالب کرنے کی کوشش کرتے چلے جائیں، یہاں کہہ کر یہ کوشش اس قدر عام، اس قدر عجیبہ و غریب اور اس قدر نمایاں ہو جائے کہ محاورے

کا کوئی طبقہ اس کی طرف توجہ کیسے بغیر نہ رہ سکے۔ اس طریقے سے لازماً ایک عام فکری حرکت رونما ہوگی جس سے معاشرے کے دوسرے طبقات کی طرح اہل علم، اہل قلم، اصحاب درس و تدریس، امدنیہ تعلیم و تربیت بھی متاثر ہونگے۔ یہ حرکت جہاں کچھ لوگوں کو ہماری مخالفت پر اجاگر کرے گی، کچھ دوسرے لوگوں کا نفعیہ فکر و نظر ہماری موافقت میں بھی تبدیل کرے گی۔ اور یہی بد سے ہوئے ذہن آخر کار خود اپنی اقتاد و طبع سے وہ علم اور تعلیمی سمت انجام دینا شروع کر دیں گے جس کی ضرورت ظاہر کی جا رہی ہے۔ ان میں سے جو جن شعبہ علم سے متعلق ہوگا اور جس پوزیشن میں بھی کام کر رہا ہوگا، وہاں اس کی قابیلیتیں اسی سمت میں کام کریں گی جس پر ایک ابتدائی فکری حرکت اسے موڑ چکی ہوگی۔ اس کے بعد جب یہ کشمکش اور زیادہ ترقی کر کے ملک کے سیاسی نظام میں توجہ پیدا کرنا شروع کر دیگی تو ہمیں اپنے ادارے الگ قائم کرنے کی حاجت نہ رہے گی۔ یہی محکمہ تعلیم، یہی مدرسے، یہی کالج، یہی یونیورسٹیاں اور مختلف قسم کی تربیتوں کے یہی سرکاری ادارے جو آج موجود ہیں وہ کام کرنے لگیں گے جس کے لیے ایک ادارہ تحقیقات اور ایک درس گاہ کی ضرورت ظاہر کی جا رہی ہے۔

اب یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ ہم کئی سال سے اسی دوسرے طریقے پر فکری انقلاب لانے کی کوشش کر رہے ہیں، اور ہماری یہ کوشش ایک طرف عمومی اصلاح اور دوسری طرف سیاسی تغیر کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ متوازنی چل رہی ہے۔ اگر عملیہ ممکن ہوتا اور اس کے لیے ذرائع و وسائل بہم پہنچتے تو ہم ضرور ایک نہیں، متعدد تحقیقاتی اور تعلیمی ادارے اب تک قائم کر چکے ہوتے۔ آج بھی اس کے مواقع ہیں بل جائیں تو ہم یہ کام کرنے میں ایک لمحہ کے لیے تاثر و تاثر نہیں۔ کیونکہ یہ کام ہماری اسلیم میں شامل ہے اور اس کی ضرورت اور اس کے فائدے سے ہم نہ کبھی غافل تھے، نہ اب غافل ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ کام اُس قدر اہم ہے کہ ہم اسے جلد ہی ہمہ گیر اصلاح و تغیر کی جدوجہد کے ساتھ چلے جائیں گے۔ ہم کئی سال سے منہمک ہیں۔ اس نور و کدھر ایک ہی کام پر اپنی ساری کوششوں کو مرکوز کر دینا ہماری نگاہ میں ایک بڑی نادانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اب تک کیا ہے وہ بھی ضائع ہو اور جو کچھ ہم آگے بنانا چاہیں وہ بھی شاید نہ بنا سکیں۔

یہ ہے ان وجوہ و دلائل کی کل کائنات جو تحریک اسلامی کے لائحہ عمل میں سے اس کے سیاسی خیزد کو خارج یا مردست ملتوی رکھنے کے حق میں اب تک مجھے معلوم ہو سکے ہیں۔ ان کے سوا اگر امد بھی کچھ وجوہ ہوں تو ہم سب ضرور ان کو معلوم کرنا چاہیں گے اور ٹھنڈے دل سے ان پر غور کریں گے۔ لیکن یہ وجوہ جن پر ابھی میں نے آپ کے سامنے تبصرہ کیا ہے، ایسی کسی تجویز کے لیے میرے نزدیک کسی پہلو سے بھی کافی نہیں ہیں۔ بہر حال آخری فیصلہ اجتماع ارکان کے اختیار میں ہے کہ وہ انہیں کافی تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔

نکتہ ہشتم اس بحث کے بعد قرارداد کے آٹھویں نکتے پر کچھ زیادہ گفتگو کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ جس میں دو باتوں پر خیال ضرور دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ لائحہ عمل کے ان چاروں اجزاء پر توازن کے ساتھ کام کرنا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ توازن قائم نہ رہنے کو کسی حالت میں اس امر کے لیے دلیل نہ بنایا جاسکے گا کہ ان اجزاء میں سے کسی جز کو ساقط یا مؤخر کر دیا جائے۔

ان میں سے پہلی بات کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ یہ لائحہ عمل جس اسکیم پر مبنی ہے اس کی کامیابی کا سارا انحصار ہی اس کے توازن پر ہے۔ اس کا ہر جز دوسرے اجزاء کا مددگار ہے، اس سے تقویت پاتا ہے اور اس کو تقویت بخشتا ہے۔ آپ کسی جز کو ساقط یا حائل کریں گے تو ساری اسکیم خراب ہو جائے گی۔ اور اس کے اجزاء کے درمیان توازن برباد ہو جائے گا تب بھی یہ اسکیم خراب ہو کر رہے گی۔ کامیابی کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک طرف دعوت و تبلیغ پیہم جاری رکھیے تاکہ ملک کی آبادی زیادہ سے زیادہ آپ کی ہم خیال ہوتی چلی جائے۔ دوسری طرف ہم خیال بننے والوں کو منظم اور تیار کرتے جائیے تاکہ آپ کی طاقت اسی نسبت سے بڑھتی جائے جس نسبت سے آپ کی دعوت و تبلیغ ہو۔ تیسری طرف معاشرے کی اصلاح و تعمیر کے لیے اپنی کوششوں کا دائرہ اتنا ہی بڑھاتے چلے جائیے جتنی آپ کی طاقت بڑھے، تاکہ معاشرہ اس نظام صالح کو لانے اور سہانے کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار ہوتا جائے جسے آپ ماننا چاہتے ہیں۔ اور چوتھی جانب ملک کے نظام میں عملاً تغیر لانے کے جو آئینی فرائض موجود ہیں ان سے پورا پورا کام لینے کی کوشش کیجیے تاکہ ان تغیرات کو لانے اور سہانے کے لیے آپ نے معاشرے کو جس حد تک تیار کیا ہو اس کے مطابق واقعی تغیر رونما ہو سکے۔ ان چاروں کاموں کی مساوی اہمیت آپ کی نگاہ میں ہونی چاہیے۔ ان میں سے

کسی کو کسی پر ترجیح دینے کا غلط خیال آپ کے ذہن میں پیدا نہ ہونا چاہیے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں غلو کرنے سے آپ کو پرہیز کرنا چاہیے۔ آپ کے اندر یہ حکمت موجود ہونی چاہیے کہ اپنی قوتِ عمل کو زیادہ سے زیادہ صحیح تناسب کے ساتھ ان چاروں کاموں پر تقسیم کریں۔ اور آپ کو وقتاً فوقتاً یہ جائزہ دیتے رہنا چاہیے کہ ہم کہیں ایک کام کی طرف اس قدر زیادہ توجہ نہیں دے رہے ہیں کہ دوسرا کام رک گیا ہو، یا کمزور ہو گیا ہو۔ اسی حکمت اور متوازن فکر اور مناسب عمل سے آپ اُس نصب العین تک پہنچ سکتے ہیں جسے آپ نے اپنا مقصدِ حیات بنایا ہے۔

اب رہی دوسری بات جو اس نکتے میں کہی گئی ہے، تو اسے سمجھنے کے لیے کچھ بہت زیادہ غور و فکر کی بھی حاجت نہیں ہے۔ ایک سیدھی اور صاف بات ہے جسے سیدھے اور صاف طریقے سے ہر صاحبِ عقل آدمی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ توازن ایک عقلی چیز ہے، کوئی مادی چیز نہیں ہے جسے ناپ تول کر فیصلہ کیا جاسکے کہ وہ برقرار رہا یا نہ رہا۔ ایک شخص جماعت کے حالات اور کام کو دیکھ کر یہ اندازہ کر سکتا ہے، کہ وہ برقرار نہیں رہا ہے۔ دوسرا شخص یہی سب کچھ دیکھ کر رائے قائم کر سکتا ہے کہ وہ پوری طرح برقرار ہے یا اُس سے زیادہ نہیں بگڑا ہے۔ جتنا اجتماعی کاموں میں اس کا بگڑ جانا ایک فطری امر ہے۔ ایسی ایک چیز کو، جس کا اندازہ اندازوں پر ہوا اور جس میں مختلف لوگوں کے اندازے مختلف ہو سکتے ہوں، اس حد تک اہمیت دینا صحیح نہیں ہو سکتا کہ جماعت میں ہر وقت اس کی بنیاد پر لائحہ عمل کی شکست و ریخت کا دروازہ کھلا رہے اور آئے دن اس کے بدلنے اور نئے سرے سے بنانے کی کوشش اٹھتی رہیں۔ تاہم اگر توازن کے متعلق ناپ تول کو کوئی ایسا فیصلہ کرنا ممکن بھی ہو جس میں دو مایوں کی گنجائش نہ رہے، تب بھی ایک قسم کے عدم توازن کو دوسری قسم کا عدم توازن پیدا کرنے کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ اگر توازن بگڑ گیا ہے تو اس کو پھر سے قائم کرنے کی کوشش کی جائے، نہ یہ کہ اگر اب تک ایک رُخ پر توازن بگڑا رہا ہے تو اب اسے دوسرے رخ پر بگاڑ دیا جائے۔

اس معاملے کو آپ ایک مثال سے آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ ایک فنڈ ہے جس میں چار اجزاء مساوی العزن رکھے گئے ہیں۔ کچھ مدت کے بعد آپ پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ آپ ایک جز کی مقدار بہت زیادہ

استعمال کرتے رہے ہیں اور بقیہ تین اجزاء کا تناسب آپ کے زیر استعمال مرکب میں کم ہو گیا ہے۔ اب کوئی انٹری طبیب ہی ہو گا جو آپ کو یہ مشورہ دے گا کہ آئندہ چھ مہینے تک آپ صرف وہی تین اجزاء استعمال کرتے رہیں جو مقررہ مقدار سے کم استعمال ہوتے ہیں، اور چوتھے جز کو سہ سے ساقل کر دیں۔

اس توازن کی بحث میں غلط فہمی کی ایک اور وجہ یہ ہے جسے نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ عموماً جب کوئی صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جماعت کے کام میں لائحہ عمل کے چاروں اجزاء کا توازن قائم نہیں رہا ہے تو ان کی گفتگو سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس کے ہر جز پر عمل صرف وہی ہے جو اس خاص جذبہ کے نام سے کیا جائے مثلاً دعوت کا کام وہ صرف اس کو شمار کریں گے جس پر دعوت کا عنوان لگا ہوا ہو، اور اصلاح معاشرہ کا کام ان کے خیال میں صرف وہ ہو گا جو اسی مخصوص نام کے ساتھ کیا گیا ہو۔ رہے وہ کام جن پر سیاست کا عنوان چسپاں ہو تو وہ اسے ”سیاسی کام“ کے خانے میں ڈال دینگے اور یہ تسلیم نہ کریں گے کہ اس عنوان کے تحت دعوت، توسیع نظام، اور اصلاح معاشرہ کا بھی کوئی کام ہوا ہے۔ اس طرح بعض لوگوں نے مختلف عنوانات کے خانوں میں جماعت کے کام کو تقسیم کر رکھا ہے اور زیادہ تر یہی چیز ان کے اس دعوے کی بنیاد ہے کہ جماعت کا سیاسی کام اس کے دوسرے کاموں سے بہت بڑھ گیا ہے۔ حالانکہ ہم جو اپنے لائحہ عمل میں چار عنوانوں پر کام کو تقسیم کر کے بیان کرتے ہیں تو وہ صرف یہ سمجھنے کے لیے ہے کہ زندگی کے کن کن گوشوں میں ہیں کن مقاصد کے لئے سعی کرنی ہے۔ اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہوتا، اور نہیں ہو سکتا کہ عملاً بھی یہ الگ الگ کام ہونگے۔ واقعہ کے اعتبار سے توازن میں سے ہر کام ایسا ہے جس میں آپ سے آپ بقیہ سارے کام بھی شامل ہوتے ہیں۔ جب آپ دعوت کا کام کریں گے تو وہ مذہبی ماعظوں کے طرز پر صرف دعوت ہی نہ ہوگی بلکہ توسیع نظام اور اصلاح معاشرہ کا مقصد بھی اس کے ساتھ خود بخود پیدا ہو گا اور یہی آپ کا سیاسی کام بھی ہو گا۔ دوسری طرف جب آپ سیاسی کام کرنے اٹھیں گے تو یہ دوسری سیاسی پدائیوں کے طرز پر محض سیاسی کام ہی نہ ہوگا، بلکہ اس کا افتتاح ہی دعوت دین سے ہوا جائے گا، اور اس کے اندر لازماً توسیع نظام اور اصلاح معاشرہ کے عناصر بھی شامل ہونگے۔ مثال کے طور پر اس انتخابی کام کو مہیے جو اس وقت میں ہم نے کیا تھا۔ اس کے متعلق اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ صرف سیاسی

کام تھا تو یہ اس کی اپنی سمجھ کا تصور ہے۔ وہ نہ حقیقت یہ ہے کہ اُس انتخابی مہم میں دعوتِ دین پھیلانے کا کام جتنے وسیع پیمانے پر کیا گیا تھا اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اُس وقت جو غشورِ شائع کیا گیا تھا اسے پڑھ کر دلچسپی بھی نہ آکر اس پر دعوت کا اطلاق نہ ہوتا ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر کس چیز پر اس نام کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور اُس وقت جو تقریریں کی گئی تھیں ان کے منسائین پر بھی غور کر لیجیے۔ آخر ان میں سے کونسی تقریر دین کی بنیادی دعوت سے خالی تھی؟ اسی طرح اُس وقت انتخابی مہم کی بدولت نظامِ جماعت کی توسیع کا جو کام ہوا وہی تو آخر کار دورِ دراز کے دیہاتی علاقوں تک میں مستقل حلقہ بنائے متنفقین کی تنظیم کا ذریعہ بنا۔ پھر اصلاحِ معاشرہ کا اس سے بڑا کام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُس انتخابی مہم میں سابقہ پنجاب کی عورتیں ہزار ہستیاؤں کے بچپاس برابر باشندوں کو اس بنیاد پر منظم کر لیا گیا کہ وہ اسلامی نظام کے قیام کا مقصد سامنے رکھ کر اپنی نمائندگی کے لیے نیک آدمی تلاش کریں، اور کم از کم ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا گیا کہ حکومت کے دباؤ، زمینداروں کے دباؤ، برادری کے تعصب اور روپے کے لالچ سے آزاد ہو کر خاص اصول کی خاطر اچھے آدمیوں کے خفی میں رائے دیں۔ معاملے کے اس پہلو کو نگاہ میں رکھا جائے تو ان لوگوں کی رائے اور بھی زیادہ کم وزن رہ جاتی ہے جو تو وزن و عدم توازن کے سوالی پر لائحہ عمل کی شکست و برکت کا دروازہ متقللاً کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔

(باقی)